بلند نصب العین اور بلند وسائل

اسلام نے جہاں یہ بتایا ہے کہ انسانی روح کو زندگی کے بنیادی سرچشمہ سے تعلق قائم کیے بغیر قرار نہیں ملے گا اور انسان ایک بلند اور پاکیزہ نصب العین کے بغیر زندگی بسر نہیں کرسکتا، وہاں اس نے یہ صحت مند روایت بھی قائم کی ہے کہ حصول مقصد کے لیے وسائل بھی اخلاقی اور جائز ہی ہونے چاہییں۔ وہ اس سلسلہ میں ان فلسفہ ہائے حیات سے اتفاق نہیں رکھتا، جو حصول مقصد کے لیے ٹیڑھی راہوں پر چلنے کو جائز سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ایک نئے اخلاقی اور فکری انسان کی تخلیق کے لیے اسلام انہی وسائل کو اختیار کرتا ہے جو اخلاقی ہوں۔ چنانچہ وہ تشدد، جھوٹ، مکروفریب اور قتل و غارت کی سیاست کو کسی قیمت پر پسند نہیں کرتا کیوں کہ اس راہ پر چل کر منزل تک پہنچنے کی توقع رکھنا ایک عبث تمنا ہے۔ تاریخ ادھر صدیوں سے یہ اعلان کر رہی ہے کہ جہاں کہیں "عوام کی فلاح و بہبود" کے نام پر انقلاب کا جھنڈا بلند کیا گیا اور تشدد کی راہ اختیار کی گئی، وہاں انقلاب کا سفینہ انہی لوگوں کے خون میں تیرتا رہا، جن کے نام سے انقلاب بپا کیا گیا تھا۔

موجودہ وقت میں پوری مسلم دنیا اضطراب اور قلق کی تاریک رات سے گزر رہی ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ جہاں ہم اپنی منزل اور راہ کے بارے میں کوئی واضح تصور نہیں رکھتے، وہاں بعض عالمی طاقتیں ہمارے بارے میں نیک عزائم نہیں رکھتیں، وہ ہر قیمت پر اپنے مفاد کی خاطر ہمارے وسائل پر قابض رہنا، اور ہمیں باہم دست و گریباں دیکھنا چاہتی

ہیں۔ جیسا کہ آج کل بدقسمتی سے بعض مسلم ملکوں میں ہو رہا ہے۔ مثلاً مصر ہی کو لیجئے۔ مصر دنیائے اسلام کا ایک اہم ملک ہے۔ جس نے صدیوں تک اسلامی تہذیب و تمدن کو آگے بڑھانے اور اس کے دفاع میں ایک تاریخی کردار ادا کیا ہے۔ لیکن آج مسلمانوں کے اسی محبوب ملک میں مذہبی انتہا پسندی اور فرقہ واریت کے ہاتھوں سینکڑوں افراد تشدد کا شکار ہو چکے ہیں۔ یہ مسلح کشمکش جو حکومت اور انتہا پسند مذہبی جماعتوں میں جاری ہے۔ مصری معاشرے کے لیے انتہائی نقصان دہ ہے۔ یہی تکلیف دہ کیفیت بعض دوسرے مسلم ملکوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ جس پر ان ملکوں کے اہل نظر عالم حیرت میں ڈوبے ہوئے پردہ غیب سے کسی نجات دہندہ کے ظہور کے منتظر ہیں جو گم کردہ راہ مسلم سوسائٹی کو اس کی منزل کا سراغ بتائے۔

مقام مسرت ہے کہ مصر میں مصر کی ایک قدیم مذہبی جماعت "الاخوان المسلمون" کے ایک رہنما ماموں الھضیبی نے حکومت اور بعض انتہا پسند مذہبی جماعتوں سے اپیل کی ہے کہ وہ اپنے مسائل کو حل کرنے کے لیے باہمی مذاکرات سے کام لیں۔ اور ان کو کامیاب بنانے کے لیے سب سے پہلے تشدد کو خیر باد کہیں۔ یہی بات متحدہ عرب امارات کے وزیر برائے امور اسلامیہ و اوقاف شیخ محمد بن احمد الخزرجی نے کہی ہے کہ مصر میں موجودہ انتہا پسندی (مذہبی ہو یا سرکاری) پر قابو پانے کے لیے یہی ایک راہ ہے۔ (العرب، قطر، ۹/ جنوری

تشدد کے خلاف اور مذاکرات کی حمایت میں اخوانی رہنما اور وزیر موصوف کا یہ اعلان ایسے وقت میں جاری کیا گیا ہے، جب مسلم سوسائٹی کو اپنے بچاؤ اور ترقی کے لیے اس پالیسی (مذاکرات) کو اختیار کرنا ازبس ضروری ہے۔ حتی کہ خود اپنے وطن عزیز میں بعض حلقوں کی طرف سے یہ آوازیں آرہی ہیں کہ وہ "اسلامی نظام" کے نفاذ کے لیے طاقت کا سہارا لیں گے۔ "الاخوان المسلمون" کا اعلان اس حیثیت سے بہت اہم ہے کہ ماضی میں "اخوان" پر تشدد پسند جماعت ہونے کا الزام لگایا گیا ہے۔ اس الزام کی صحت پر ہم سر دست بحث کرنا

نہیں چاہتے۔ لیکن اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں کہ ۱۹۵۴ء میں مصر اور برطانیہ کے درمیان معاہدہ انخلاء پر اخوان کا صدر جمال عبدالناصر سے تصادم ہوا۔ اس تصادم کو خود ہم نے اپنے قیام مصر میں اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا جو خون گرا ہے۔ وہ ایک المیہ ہے۔ جس کا باعث تشدد اور انا کی سیاست تھی، جس سے ہزاروں گھروں میں صف ماتم بچھی۔ اور اخوان جس نے مرحوم حسن البناء کی قیادت میں ایک اخلاقی طاقت کی حیثیت سے جنم لیا تھا۔ ۱۹۴۵ء کے بعد اپنی اس حیثیت کو قائم نہ رکھ سکی، بہر نوع ایک مدت کے بعد اخوان اپنی ساکھ کو بحال کرنے میں کسی حد تک کامیاب ہو گئے، اور انہوں نے اعتدال کی راہ پر چل کر باہمی مذاکرات کی پالیسی کو اپنا شعار بنایا۔ تو اس جماعت میں انتہا پسند رجحانات رکھنے والے آدمی اس سے الگ ہو کر "الجماعۃ الاسلامیہ اور الجھاد" نامی انتہا پسند جماعتوں سے منسلک ہو گئے اخوان کی پالیسی میں صحت مند تبدیلی کے ساتھ ساتھ پوری عرب دنیا میں پہلی بار اس احساس نے جنم لیا ہے کہ انہیں آسمان اور غیروں کے جور و جفا کا شکوہ کرنے کی بجائے اپنی فکری اور عملی خامیوں اور کمزوریوں کا محاسبہ کرنا چاہیے اور اس کی روشنی میں اپنا لائحہ عمل تیار ہونا چاہیے ۔ زمانہ کے ہاتھوں پے بہ پے ٹھوکروں نے عرب دانش مندوں کو اپنے نظام اور اپنے طرز عمل پر سوچنے پر مجبور کر دیا ہے۔ چنانچہ وہ اب رومانوی طرز فکر اور طاقت کی سیاست کو خیر باد کہہ رہے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ ہمیں بھی پاکستان میں ایک یا ایک سے زائد، کراچی، لاہور، پشاور اور کوئٹہ میں سیمنار منعقد کرنے چاہییں، جس میں ملک کے دانش ور، ارباب فکر اور اصحاب علم اپنے فکری اور اجتماعی افکار کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ ہمیں اپنے سماجی اور سیاسی نظام کی اصلاح کے لیے کیا کرنا چاہیے؟ اپنے تعلیمی نظام کو، جو تقریباً درہم برہم ہو چکا ہے۔ کیوں کر بحال کیا جاسکتا ہے کیوں کہ اسے درست کیے بغیر ملک میں کسی قسم کی اصلاح کی توقع رکھنا بے سود ہے؟ ایسے ہی رشوت، لاقانونیت اور تشدد کو ختم کر کے کیوں کر سیاسی استحکام لایا جاسکتا ہے۔ بے شبہ

ایسے سیمینار کا انعقاد وقت کی ضرورت ہے اور ہمارے اجتماعی حالات کا تقاضہ ۔ہمیں انا کی سیاست کو خیر باد کہہ کر، جس کے ہاتھوں افغانستان ادہر کئی سالوں سے آگ اور خون کے دریاؤں سے گزر رہا ہے ۔اپنا محاسبہ کرنے کے لیے خود اپنی گھات میں بیٹھنا چاہیے۔یقینا بے رحمی سے اپنا محاسبہ کرنا زندگی کا مشکل ترین کام ہے۔ لیکن ہمیں اپنی ملی اور قومی زندگی کو صحت مند بنانے کے لیے اس تلخ گھونٹ کو پینا ہی ہو گا۔

رگ و پے میں جب اترے زہر غم تب دیکھیے کیا ہو
ابھی تو تلخی کام و دہن کی آزمائش ہے

رشید احمد جالندھری